باب اول

ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

مرتّب : مولانا عبدالرحمٰن شبیر بن نور

شرعی اصطلاحات کی بنیاد

قرآن حکیم عربی زبان میں ہے اور نبی اکرم ﷺ کی زبان بھی عربی تھی۔ چنانچہ قرآن حکیم کی بنیادی اصطلاحات کو سمجھنے اور قرآن و حدیث سے براہ راست استفادے یا بالفاظِ دیگر دین سیکھنے کے لئے عربی زبان جاننا اشد ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

عربی زبان میں ہر لفظ کا ایک مادہ (Root) اور بنیادی مفہوم ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی لفظ اصطلاح کی صورت اختیار کرلیتا ہے تو پھر اصل حجت لغت نہیں بلکہ دینی اصطلاح ہوتی ہے اور اس کا مفہوم قرآن و حدیث سے متعین ہو گا۔ مثلاً لفظ "صلاۃ" کا لغوی مفہوم ہے آگ تاپنا اور اِقدام الی الشّیء۔ محض اس مفہوم کو سامنے رکھ کر صلاۃ کے معنی نکالنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا صلاۃ کا شرعی مفہوم وہی ہو گا جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ سے ثابت ہو گا۔ اسی طرح لفظ "صوم" کے لغوی معنی ہیں "رک جانا"۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس چیز سے رک جانا؟ کب رک جانا؟ کس صورت میں رک جانا؟ اور کس وقت سے لے کر کس وقت تک رکے رہنا؟ یہ تمام مفاہیم و معانی قرآن حکیم اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی راہنمائی میں معین ہوں گے۔ معلوم یہ ہوا کہ دینی اصطلاحات میں اصل بنیاد لغوی معنی نہیں بلکہ شریعت کے مقرر کردہ معانی و مفاہیم ہیں۔

لغوی معنی اور شرعی اصطلاح میں باہمی ربط

قرآن حکیم اور سنتِ رسول ﷺ میں بیان ہونے والی اصطلاحات کا اپنے لغوی

© rasailojaraid.com

معنی کے ساتھ کسی نہ کسی درجے میں کوئی ربط اور کوئی نہ کوئی معنوی تعلق بھی برقرار رہتا ہے۔ اس ربط و تعلق پر غور کرنے سے ان اصطلاحات کی روح اور ان کے حقیقی مفہوم پر ایک باطنی بصیرت ضرور حاصل ہوتی ہے کہ اس کا اصل مفہوم کیا ہے۔

لفظ صلاۃ کا ایک مفہوم ہے اِقدام اِلَی الشَّیء۔ تو یہ معنی "اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ" (میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور میں بالکل یکسو ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں) [۱] والی دعا میں موجود ہے جو کہ ابتداءِ نماز میں پڑھنی مسنون و ماثور ہے۔ اسی طرح آگ تاپنے کا مفہوم ذکرِ الٰہی کے ذریعے اپنی روح کو گرم کرنے میں موجود ہے۔ گویا کہ یہ تمام معانی لفظ کی روح میں شامل ہیں۔ زکوٰۃ کا معاملہ بھی یہ ہے کہ اپنے نفس کا تزکیہ کرنا، مال کی محبت سے دل کو پاک صاف کرنا۔ چنانچہ ایسا بھی نہیں ہے کہ کلمے کی لغوی اساس کا شرعی اصطلاح سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، بلکہ ان اصطلاحات کی جو باطنی روح ہے وہ لغوی اصل سے اجاگر ہوتی ہے اور مزید واضح ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ لغوی معنی کو اصطلاحی معنی پر حاکم نہیں کیا جا سکتا۔ فیصلہ کن بات وہی ہوگی جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے اصطلاح کا مفہوم معین کرنے کے لئے ثابت ہو۔

لفظ ایمان کی لغوی تحقیق

عربی زبان کے ننانوے فیصد سے زائد الفاظ ایسے ہیں جن کا ایک سہ حرفی مادہ ہوتا ہے اور اسی مادے سے الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں۔ سادہ ترین مثال ہے "علم"۔ اس سے بنا "عالم" (یعنی علم رکھنے والا، جاننے والا) "معلوم" (وہ چیز جو کسی کے علم میں ہے) "علّامہ" (بہت زیادہ علم رکھنے والا) "علامت" (پہچان) "استعلام" (معلومات حاصل کرنا)

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ، حدیث نمبر ۱۲۷۷ وسنن الترمذی حدیث نمبر ۳۴۱۷ وما بعدہ وسنن ابی داؤد حدیث نمبر ۷۶۰

© rasailojaraid.co

"متعلِّم" (علم سیکھنے والا) "معلِّم" (علم دینے والا)۔ اس طرح "ع ل م" سے الفاظ بنتے چلے جائیں گے اور اوزان کے مطابق مختلف سانچوں میں ڈھلتے چلے جائیں گے' لیکن تمام الفاظ کا اپنے اصل مادے یعنی "عِلم" سے تعلق برقرار رہے گا۔ گویا کہ "اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ"۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر غور کریں تو ایمان کا مادہ "امن" ہے : "ا م ن"۔ امن اور ایمان میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿وَكَيْفَ اَخَافُ مَا اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○﴾

(الانعام : ۸۲-۸۳)

"اور آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لئے اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی۔ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ امن و اطمینان کا مستحق ہے' بتاؤ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔ حقیقت میں تو امن انہی کے لئے ہے اور راہ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا"۔

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قوم کے ساتھ جھگڑا ہو رہا تھا اور لوگ انہیں ڈرا رہے تھے کہ تم نے تمام معبودوں کا انکار کر دیا ہے' تمہاری تو شامت آ کر رہے گی' تو انہوں نے جواب میں فرمایا : ﴿اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ کہ اِس وقت میدان میں دو فریق ہیں' ایک موحّدین کا اور دوسرا مشرکین کا' ان دونوں میں سے کون زیادہ امن کا مستحق ہے؟ تم خود غور کرو' سوچو' ایک ہزار معبودوں کو پوجنے والے یا ایک خدائے بزرگ و برتر کو ماننے والے۔ ساتھ ہی اس کا جواب بھی دے دیا گیا کہ ﴿اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا

© rasailojaraid.co

اِیۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴾ گویا کہ امن کی منزل ایمان کی شاہراہ پر چل کر ملتی ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ میں امن اور ایمان کا تعلق بہت واضح ہو کر سامنے آگیا ہے۔

قرآن حکیم میں لفظ "الامن" تین ہی بار استعمال ہوا ہے۔ دو مرتبہ تو ان ہی آیات میں آگیا ہے اور ایک مرتبہ سورۃ النساء آیت نمبر ۸۳ میں آیا ہے، جہاں لفظ "خوف" کے مقابلے میں "امن" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا :

﴿وَاِذَا جَآءَهُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ﴾

(النساء : ۸۳)

"یہ لوگ جہاں کوئی امن کی یا خوف کی خبر سن پاتے ہیں اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں"۔

© rasailojaraid.com

منافقین کی روش پر تبصرہ کیا گیا ہے کہ ان کا حال یہ ہے کہ کہیں سے خوف یا امن کی خبر ان تک پہنچی تو ذمہ دار لوگوں تک پہنچانے کی بجائے اسے فوراً عام لوگوں میں نشر کر دیا۔ ظاہر ہے کہ خوفناک خبر سے سنسنی تو پیدا ہو گی۔ ایک ہی آیت میں امن اور خوف کے بالمقابل استعمال سے لفظ "امن" کا مفہوم واضح ہو گیا کہ یہ خوف کی ضد ہے، کیونکہ قانون ہے : "تُعۡرَفُ الۡاَشۡیَاءُ بِاَضۡدَادِهَا" (اشیاء کو ان کی اضداد کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے)

ایمان کی گہرائی اور گیرائی جب اس درجے کو پہنچ جائے کہ انسان اس کیفیت کو پالے "اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُنۡ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ" {۲} "کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ اسے سامنے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تو یہ یقین ضرور رہے کہ وہ ذات تم کو دیکھ رہی ہے" تو یہ مقام احسان ہے، جہاں پہنچ کر یقین کی کیفیت اتنی گہری ہو جاتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ "ولایتِ باہمی" کے رشتے میں جڑ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس انعام کا مستحق ہو جاتا ہے جس کا ذکر

{۲} صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب نمبر ۳۶ سوال جبریل النبی ﷺ عن الایمان، حدیث نمبر ۵۰ و صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام حدیث نمبر ۹

© rasailojaraid.com

سورۃ یونس کی آیات ۶۲ اور ۶۳ میں ہے :

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

"سنو' جو اللہ کے دوست ہیں' جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔"

نیک اعمال کے حوالے سے یہ مضمون قرآن حکیم میں تیرہ دفعہ بیان ہوا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ خوف و حزن سے نجات پانا ہی "امن" ہے اور یہی امن کا حقیقی اور اصلی مفہوم ہے۔

لفظ امن کی شاخیں اور ان کا مفہوم

"اَمِنَ' يَاْمَنُ' اَمْنًا وَاَمَنَةً" کے معنی ہیں "امن میں ہونا"۔ اس معنی میں یہ لفظ قرآن حکیم میں بار بار آیا ہے {۳}۔ اَمِنَ سے اسم فاعل بنتا ہے آمِنٌ {۴} جو کہ خود امن میں ہو۔ اسی سے لفظ "مَاْمُوْن" بنتا ہے جو کہ اسم مفعول ہے' یعنی جس سے کوئی اندیشہ نہ ہو' جس سے امن لے لیا گیا ہو' جسے زیر کر لیا گیا ہو' جس سے کوئی اندیشہ نہ رہے کہ وہ

{۳} یہ لفظ صرف سورت الملک میں دو مرتبہ استعمال ہوا ہے' فرمایا : ﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ' اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ﴾ (الملک : ۱۶۔۱۷) "کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تمہیں زمین میں دھنسا دے اور یکایک یہ زمین جھکولے کھانے لگے' کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے"۔ اسی طرح کی پتھراؤ کرنے والی ہوا قوم عاد پر آ چکی ہے۔ سورۃ الاعراف میں یہ لفظ بیان ہوا ہے : ﴿ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (الاعراف : ۹۹) "کیا اللہ کی چالوں سے وہ اپنے آپ کو مامون سمجھتے ہیں؟ (محفوظ سمجھتے ہیں؟ امن میں سمجھتے ہیں؟) تو جان لو کہ اللہ کی چال سے امن میں ہونے والا وہی ہو سکتا ہے جو کہ خسارہ پانے والا ہو"۔ مذکورہ بالا آیات کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ اَمِنَ' يَاْمَنُ کا مطلب ہے امن میں ہونا۔

{۴} قرآن حکیم میں یہ لفظ "آمِنًا" کی شکل میں چھ مرتبہ آیا ہے "آمِنَةً" کی شکل میں ایک ←

© rasailojaraid.com

آپ کو کوئی گزند پہنچا سکتا ہو۔ اس معنی میں یہ لفظ قرآن حکیم میں صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا :

﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝﴾ (المعارج : ۲۸)

"یقیناً ان کے رب کا عذاب ایسی شے نہیں ہے جس سے کوئی بے خوف اور نڈر ہو جائے"۔

لفظ امن سے اسم ظرف آتا ہے "مَاْمَن" {۵} یعنی امن کی جگہ۔ اسی لفظ سے صفتِ مشبّہ ہو گی : "اَمِین"۔ واضح رہے کہ صفت مشبہ اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں کا معنی دیتی ہے۔ چنانچہ جو خود امن میں ہو اسے بھی "امین" کہیں گے اور جس شخص سے دوسرے لوگ امن میں ہوں وہ بھی "امین" ہے۔ لفظ "امین" دونوں معنی کے اعتبار سے قرآن مجید میں چودہ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

© rasailojaraid.co

فعل کے معنی پر صلہ کے اثرات

ہر زبان میں فعل (Verb) کے ساتھ صلہ (Preposition) کی تبدیلی کے ساتھ ہی

← مرتبہ "آمِنُوْن" دو مرتبہ "آمِنِین" آٹھ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الفتح میں فرمایا گیا : اے مسلمانو! گھبراؤ نہیں، اس وقت صلح حدیبیہ ہو جانے کے باعث تمہیں عمرے کے بغیر ہی یہاں سے لوٹنا پڑ رہا ہے لیکن وہ وقت ضرور آئے گا جب ﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ...... ﴾ (الفتح : ۲۷) "ان شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے، اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے"۔ "آمِنِین" یعنی کوئی خوف، کھٹکا، بے چینی، اور اندیشہ نہ ہو گا۔ (ماخوذ)

{۵} سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا کہ بس اب چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے : ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ...... ﴾ (التوبہ : ۵) "جب یہ چار ماہ ختم ہو جائیں تو تم جہاں کہیں مشرکوں کو پاؤ قتل کر دو"۔ آگے چل کر استثنائی صورت بیان کرتے ہوئے فرمایا : ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ﴾ (التوبہ : ۶) "اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے امن کا طالب ہو تو آپ اسے پناہ دے دیجئے تا کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ تک پہنچا دیں"۔ معلوم ہوا کہ "مَاْمَن" کے معنی ہیں امن کی جگہ۔ (ماخوذ)

© rasailojaraid.co

معنی بدل جاتے ہیں۔ to give کا مفہوم کچھ اور ہے اور to give in کا مفہوم کچھ اور ہی بن جاتا ہے۔ یہاں یہ لفظ محاورے کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ نیز to give up کے معنی کچھ اور ہی بن گئے۔ صرف صلہ (Preposition) کے بدلنے سے معانی میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو رہا ہے۔ ایک درجے میں یہ بات عربی زبان کے ساتھ بھی ہے۔ صلہ بدلے گا تو مفہوم بھی بدلے گا۔ لیکن عربی بڑی Mathematical زبان ہے۔ اس میں صلہ کی تبدیلی کے ساتھ بھی جڑ سے تعلق ختم نہیں ہوتا۔ چنانچہ "اَمِنَ" کے بعد اگر "بِ" یا "عَلٰی" کا صلہ آجائے تو معنی ہوں گے : کسی چیز پر کسی دوسرے کو امین بنانا۔ آپ نے کسی کے پاس امانت رکھوائی تو کہیں گے "اَمِنَ بِهٖ" اور "اَمِنَهٗ بِشَیْءٍ" یعنی "اس نے امین بنایا اس کو ایک چیز کے بارے میں"۔ اب غور کریں کہ صلہ آنے کے بعد بھی معنی کا اپنی اصل سے تعلق برقرار رہا کیونکہ امین اسی کو بنایا جاتا ہے جس کے بارے میں خیانت کا اندیشہ نہ ہو۔ چنانچہ "اَمِنَ فُلَانًا بِفُلَانٍ" یا "عَلٰی فُلَانٍ" کا مفہوم ہوگا : "کسی کو امین بنانا کسی پر' یا کسی کے بارے میں اعتماد کرنا۔" مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ‘ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ... ﴾

(آل عمران : ۷۵)

"اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ ڈھیروں سونے پر بھی اگر انہیں امین بنا دو گے تو وہ تمہیں واپس کر دیں گے' لیکن ان میں ایسے بھی ہیں کہ ایک دینار بھی اگر امانت رکھوا دو گے تو واپس نہیں کریں گے..."

تو معلوم ہوا کہ "اَمِنَ فُلَانًا بِفُلَانٍ" کا مفہوم ہے کسی کو کسی چیز پر امین بنانا۔ اسی معنی میں "عَلٰی" کا صلہ بھی آتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹوں سے گفتگو کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے' فرمایا : ﴿ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ (یوسف : ۶۴) یعنی "کیا میں تمہیں امین سمجھوں اس (بن یامین) کے بارے میں' اسی طرح جس طرح میں نے تمہیں امین بنایا تھا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.co

اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں"۔

لفظ "اَمِن" سے جب باب افتعال بنتا ہے تو اس کا معنیٰ بھی امین بنانا ہی ہے۔ یعنی "اِئْتَمَنَ، یَأْتَمِنُ" بمعنی امین بنانا اور بھروسہ کرنا۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ صرف ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ﴾ (البقرۃ: ۲۸۳) "اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کر کے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے تو پھر جس کو امین بنایا گیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ امانت واپس کر دے"۔

لفظ ایمان کی لغوی اور شرعی تعریف

© rasailojaraid.co

لفظ "اَمِن" کو باب اِفعال میں لے جائیں تو مصدر بنے گا: "ایمان"۔ یعنی کسی کو امن دینا۔ تو لفظ ایمان کا ترجمہ ہوا "امن دینا"۔ اسی سے اسم فاعل بنتا ہے: "مُؤمِن" یعنی امن دینے والا۔ اور اسی معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے "المؤمن"۔ سورۃ الحشر میں فرمایا گیا ہے: ﴿الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾ (امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا اور بڑا ہو کر رہنے والا)۔ تو معلوم ہوا کہ اَمِنَ ۔ یَأْمَنُ ۔ اَمْنًا کا مفہوم ہے: خود امن میں ہونا، اور آمَنَ ۔ یُؤْمِنُ ۔ اِیمَانًا کے معنیٰ ہیں: دوسرے کو امن فراہم کرنا۔

لفظ ایمان کے بعد جب "بِ" یا "لِ" کا صلہ آئے گا تو معنیٰ ہوگا کسی کی تصدیق کرنا۔ مثلاً کسی نے آ کر کوئی خبر دی یا دعویٰ کیا تو جواب کی دو ہی شکلیں ہوں گی: تصدیق یا تردید۔ تصدیق کر دی تو امن رہا اور اگر تردید کر دی تو جھگڑا شروع، جھگڑا تھوڑا ہو یا زیادہ، زبانی کلامی ہو یا ہاتھا پائی ہو یا قتال اور خون ریزی، بہرحال جھگڑا شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ "آمَنَ بِہٖ" اور "آمَنَ لَہٗ" کے معنی ہیں کسی کی تصدیق کرنا۔ تصدیق کرنے میں امن کے ساتھ تعلق برقرار رہا اور تصدیق کرنے کا معنیٰ دعویٰ کرنے والے کو امن دینا ہے۔ قرآن حکیم میں "ل" کے صلے کے ساتھ "آمَنَ لَہٗ" کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں سرسری طور پر کسی کی بات کو مان لینا۔ اگرچہ یہاں ایک استثناء موجود ہے:

© rasailojaraid.co

﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوۡطٌ﴾ (العنکبوت : ۲۶) یعنی حضرت لوط بھی حضرت ابراہیم علیہما السلام پر ایمان لے آئے۔ یہاں ایمان لانا سرسری معنی میں نہیں ہے۔

عام طور پر لفظ "ایمان" جب "ل" کے صلے کے ساتھ آئے تو اس میں وہ گہرائی اور وثوق والی بات نہیں ہوا کرتی' لیکن جب "بِ" کے صلے کے ساتھ آئے تو اس کے معنی میں بڑے وثوق اور بھرپور اعتماد کے ساتھ کسی بات کو مان لینا اور کسی کے دعوے کی تصدیق کرنا شامل ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے لفظ ایمان کو جب اصطلاحی معنوں میں بیان کیا ہے تو "بِ" کے صلے کے ساتھ ذکر کیا ہے' فرمایا : ﴿یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ﴾--- ﴿الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ﴾--- ﴿اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾--- ﴿وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾ (یہ سب آیات سورۃ البقرۃ کی ہیں)--- ایمان مجمل کے الفاظ ہیں : آمنتُ باللہ کما ھُو باسمائِہٖ وصفاتہٖ..... اور ایمان مفصل کے الفاظ ہیں : آمنتُ باللہ وملٰئکتہٖ.... گویا چند استثناءات کے علاوہ جب لفظ ایمان "بِ" کے صلے کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہیں تصدیق کرنا۔

اصطلاحی اور شرعی تعریف

جب ایمان نام ہے تصدیق کا' تو تصدیق ہوگی نبی کی' اس کے دعوئ نبوت کی' اور اُس دعوے کی بنیاد پر نبی جو کچھ پیش کرے اس کی۔ یعنی "تصدیقُ بما جاءَ بہِ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ علامہ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں : "الایمان لغۃً التصدیق وشرعًا تصدیقُ الرسولِ فیما جاء بہٖ عن ربہٖ"{۶} یعنی "لغوی اعتبار سے ایمان نام ہے صرف تصدیق کا اور شرعًا : رسول جو کچھ اپنے رب کی طرف سے لائے اس کی تصدیق کا"۔

نبی اور رسول کی لائی ہوئی تعلیمات مختلف امور پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان میں سے کچھ

{۶} فتح الباری' شرح صحیح البخاری' کتاب الایمان' ج ۱' ص ۶۰' طبع دارالریان

© rasailojaraid.com

غیبی امور ہوتے ہیں ' مثلاً اللہ پر ایمان ' فرشتوں پر ایمان ' آخرت پر ایمان ۔ اسی طرح ان تعلیمات میں سے بعض کی نوعیت احکام کی ہوتی ہے ۔ یہ اوامر ہیں ' یہ نواہی ہیں ' یہ فرائض ہیں ' یہ حلال ہیں اور یہ حرام ہیں ۔ نبی و رسول سابقہ امتوں کے حالات اور قصص بھی بیان کرتے ہیں ' ان کی تصدیق بھی شامل ایمان ہوگی ۔ لیکن معروف معنی میں لفظ ایمان کا اطلاق صرف ان غیبی امور کی تصدیق پر ہوتا ہے جن کو جاننے کا ہمارے پاس خود اپنا کوئی ذاتی ذریعہ نہ ہو ' مثلاً موت کے بعد کیا حالات پیش آنے والے ہیں ؟ فرشتوں کو ہم نہیں دیکھ سکتے اور اسی طرح کے دوسرے غیبی امور ہماری دسترس سے باہر ہیں ' اسی لئے سورۃ البقرۃ کے بالکل شروع میں ایمان کے لئے جو پہلا لفظ آیا ہے وہ ہے ﴿ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾ یعنی " وہ (متقی لوگ) غیبی امور پر ایمان لاتے ہیں " ۔ تو معلوم ہوا کہ ایمان کا اصلاحی اور اصطلاحی مفہوم " غیبی امور کو تسلیم کرنا " ہے ۔

واضح رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے پہلے نبی تھے اور حضرت محمد ﷺ آخری نبی ۔ ان کے درمیان ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور تین سو پندرہ رسول تشریف لائے ۔ ان رسولوں میں سے پانچ رسولوں کو " اولوالعزم " کا لقب ملا ہے ۔ انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کی تعلیمات دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہیں ۔ ایک حصہ احکام شریعت کہلاتا ہے جو ہر علاقے اور زمانے کے اعتبار سے بدلتا رہا ہے ۔ مثلاً نماز کی صورتیں بدلتی رہی ہیں ' روزے کے احکام بدلتے رہے ہیں ۔ البتہ دین کا دوسرا حصہ " ایمانیات " کہلاتا ہے ۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ' بال برابر فرق نہیں آیا ۔ حضرت آدم ' حضرت نوح ' حضرت ابراہیم ' حضرت موسیٰ ' حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم الصلاۃ والسلام سب کی ایمانیات کی تعلیم ایک ہی رہی ہے ۔ یہ چونکہ انبیاء کی تعلیم کا وہ حصہ ہے جو امور غیبی سے متعلق ہے ' لہٰذا اس میں کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ۔ (جاری ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com